© rasailojaraid.com

باند کہ مجاہدہ صفا ظاہر شود خاطرت کی رقم فیض پذیر د ہیہات مکر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی‘‘۔(ورق،۲۱)

اقتباس بالا میں عبادت و ریاضت کی بے ثمری سے متعلق نہایت حکیمانہ انداز میں ایک عبرت انگیز نکتہ پیش کیا گیا ہے کہ کنویں میں اگر کوئی مردہ جانور گر پڑے (یا کنویں میں گر کر مر جائے) تو ایسی حالت میں کنویں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔اس کے پاک ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلے مردار نکالا جائے، اس کے بعد پانی نکالا جائے ،تبھی کنواں پاک ہو گا ورنہ نہیں۔ بغیر مردار نکالے کوئی لاکھ کنویں سے پانی نکالے،لیکن کنواں کبھی پاک نہیں ہوگا۔اسی طرح انسانی قلب ایک کنواں ہے۔اگر اس میں حُبِّ دنیا سمائی ہوئی ہے تو اس کو دنیاوی محبت سے پاک کیے بغیر خدا کی محبت اس میں نہیں سما سکتی۔یہی سبب ہے کہ لاکھ عبادت و ریاضت کے باوجود بھی نتیجہ بے سود ہی رہے گا۔اس نکتہ کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ:

’’طالب دنیا و طالب خدا ہر دو ضد آن لا یجتمعان اند‘‘

یعنی دنیا طلبی اور خدا طلبی دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں یکجا نہیں ہو سکتے ۔لہٰذا طلبِ خدا کے لیے دنیا سے اظہارِ بےزاری لازمی ہے،ورنہ نہیں۔

زیر نظر کتاب میں دیگر موضوعات ،مثلاً فنا فی اللہ و بقا باللہ کا تصور، ماہ رمضان المبارک و یوم عاشورہ، مرشد و طالب کے مابین اختلاط، نماز جماعت میں صفِ اول میں حاضری،وجد و سماع ،اقسامِ عبادت،عبادت میں مرشد کا تصور،خواب میں دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ، مکتوباتِ صدی کی فضیلت اور نماز قلاقل وغیرہ بھی زیر بحث آئے ہیں،جن پر بہ خوف طوالت اظہارِ خیال سے احتراز کیا گیا ہے۔تاہم ان سطور میں کتاب میں درج جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے وہ کہاں تک قرآن و حدیث سے مطابقت رکھتے ہیں،اسے موضوعِ بحث بنانا قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھنے والے ماہرین کا کام ہے۔ راقم الحروف کے مطابق یہ کتاب اب تک قلمی ہے،اس کے کئی نسخے ہیں،جن کا ابتدا میں ذکر کیا جا چکا ہے۔حاملینِ تصوف اور اس سے دلچسپی رکھنے والے اس کی اشاعت کا اہتمام کریں تو بہتر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ رازی کا اصل نام میر عسکری تھا۔بیش تر تذکروں میں یہی نام درج ہے،مگر اس کی اصل تصنیف ثمرات الحیاۃ میں بطور نام 'میر علی عسکری' درج ہے۔ (ملاحظہ ہو ثمرات کا نسخہ خطی شمارہ ۳۸، سالار جنگ میوزیم، ورق ۱) رازی اورنگ زیب کے عہد شاہ زادگی ہی سے اس کے دربار سے منسلک تھا۔ دہلی کی گورنری (۱۰۰۱۔ ۱۱۰۸ھ) جیسے عہدۂ جلیلہ پر ۱۷ سال تک کامیابی کے ساتھ برقرار رہ کر وہ ربیع الثانی ۱۱۰۸ھ ، اکتوبر ۱۶۹۶ء میں ۸۰ سال کی عمر میں فوت کرگیا۔ ملاحظہ ہو بندرابن داس خوشگو: سفینۂ خوشگو ۱۳رمآثر عالم گیری ۳۸۳، ریاض الافکار، ورق ۲۶،لیکن ید بیضا ۱۰۳اورمآثرالامراء ۲/ ۸۲۲ میں وفات کا سال ۱۱۰۷ھ درج ہے۔

۲۔ عاقل خان رازی: ثمرات الحیاۃ (مخطوطہ) کرزن کلکشن، شمارہ ۴۴۸، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ

۳۔ ایضاً،لٹن ضمیمہ، شمارہ ۱۰۶،علی گڑھ/ نورالحسن انصاری: فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب،دہلی ،۱۹۶۹ئ ،ص ۵۲۳

۴۔ حضرت برہان الدین راز الٰہی عہد عالم گیری کے ایک معروف بزرگ اور عارف باللہ صوفی تھے۔ وہ شطّاری سلسلہ سے وابستہ تھے، جن کی جائے قیام ریاست گجرات کے مقام برہان پور میں تھی۔ ان کا انتقال اسی مقام پر ۱۰۸۳ھ/ ۱۶۷۲ء کو ہوا۔ (ملاحظہ ہو معارف ،اعظم گڑھ، مئی ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۵ئ/ اسٹوری: پرشین لٹریچر، ۲/ ۵۸۴ ،لندن ۱۹۷۰ئ)

۵۔ صحیح بخاری: ۱،صحیح مسلم: ۵۰۳۶

۶۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، تفسیر آیت مذکور

☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحث ونظر

قرآن مجید میں نظم وترتیب کی نوعیت

محترمہ نشاء حلیم

اللہ تعالیٰ کی یہ سنتِ جاریہ رہی ہے کہ اس نے ہر رسول کو کسی نہ کسی معجزہ کے ساتھ بھیجا ہے اوراس کا مقصد دعویٰ نبوت کی تصدیق رہا ہے۔ دیگر انبیائے کرام کی طرح اللہ تعالی نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی زمانہ اور مخاطبین کی رعایت سے قرآن مجید کی شکل میں معجزہ عطا کیا۔ آپؐ کے اس سب سے بڑے معجزے کی خصوصیت یہ ہے کہ بار بار تحدّی کے باوجود کفارِ مکہ اس کے جواب میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورہ بھی پیش نہ کر سکے۔ ان کے خطباء اور بلغاء کی کثرت بھی ان کے کام نہ آسکی۔ اس وقت اللہ نے حتمی طور پر اعلان کردیا:

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا

(بنی اسرائیل:۸۸)

”کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“

قرآن کریم رہتی دنیا تک کے لیے معجزہ ہے۔ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس جیسا کلام پیش کرنے کی کوشش کریں تو کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس کے اعجاز کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک پہلو اس کا نظم ہے۔

نظمِ قرآن

عربی زبان میں ’نظم‘ کے معنی تالیف وترتیب اور ایک چیز کو دوسری چیز سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملانے اور ضم کرنے کے ہیں۔ چنانچہ **نَظَمْتُ اللُؤلُؤ** کا مطلب ہوگا: میں نے موتی کو دھاگے میں پرو دیا۔ 'تنظیم' بھی نظم کے ہم معنیٰ لفظ ہے، اسی سے ہے **نَظَّمْتُ الشِّعْرَا** میں نے شعر ترتیب دیا۔ کلام کی ترتیب و تالیف کے لیے '**نظم الکلام**' بولتے ہیں۔ کسی اچھی ترتیب کے لیے '**ھذا نظم حسن**' کہا جاتا ہے۔[۲] اسی معنیٰ میں نظم القرآن کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، یعنی مصحف میں موجود قرآنی عبارت کو ترتیب سے رکھنا۔[۳]

لہٰذا نظم کے مشترک لغوی معنی ہوئے: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ملانا اور ترتیب دینا جیسے موتی کے دانے ایک خاص انداز و ترتیب سے دھاگے میں پروے جاتے ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ علم ہے جو قرآن حکیم کی آیات اور سورتوں کی ترتیب میں نظم اور ان میں باہمی ربط و تعلق کی نوعیت اور حکمت سے بحث کرتا ہے۔[۴] اس علم کی ضرورت اس حقیقت کے پیش نظر بڑھ جاتی ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب نزولی نہیں، بلکہ توقیفی ہے۔ اس لیے آیات اور سورتوں میں نظم اور ارتباط کا سمجھنا ضروری ہے۔ پورا قرآن از اول تا آخر باہم مربوط ہے، لیکن قرآن حکیم کی آیات وسور میں مناسبات اور روابط کبھی جلی ہوتے ہیں کبھی خفی اور کبھی بہت زیادہ خفی۔ سورتوں کے داخلی نظم میں زیادہ تر ایک مرکزی موضوع کو نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے، پھر جزئیات اور تفصیلات اس کے ساتھ مربوط اور متصل ہوتی ہے۔[۵]

نظم قرآن سے متعلق نقطہ ہائے نظر

نظمِ قرآن کے سلسلے میں عام طور سے مفسرین کے تین نقطہ ہائے نظر ہیں اور ان تینوں میں کافی فرق ہے۔

پہلا نقطۂ نظر: پہلے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن کریم چوں کہ تیئیس (۲۳) سال میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس میں کوئی ربط و ترتیب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، اس کی ہر آیت ایک مستقل مضمون کی حامل ہے۔ اس نقطۂ نظر کی نمائندگی شیخ عزالدین عبدالسلامؒ (م ۶۶۰ھ/ ۱۲۶۰ئ)، علامہ شوکانی (م ۱۲۰۵ھ/

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۳۴ئ) اور شاہ ولی اللہ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ئ) جیسے اکابر علم کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ عزّالدین لکھتے ہیں کہ: ''قرآن مجید بیس (۲۰) سال سے زیادہ لمبی مدت میں مختلف حالات کے اندر گوناگوں احکام لے کر نازل ہوا ہے، اس لیے جو چیز اس طرح نازل ہوئی ہو اس میں کسی قسم کا ربط و نظم تلاش کرنا بے سود ہے''۶۔

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ: ''تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں بعض مفسرین نے ایک انوکھا اور نیا علم ایجاد کیا ہے، جو نہ صرف غیر ضروری، بے سود اور لاحاصل ہے، بلکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن پر گفتگو کرنے کی ممانعت آئی ہے، یعنی انھوں نے قرآن کی موجودہ آیتوں اور سورتوں میں مناسبت اور ربط بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جو تمام تر تکلّفات پر مبنی ہے اور علانیہ قرآن کے ساتھ ناانصافی ہے''۷۔

ہندوستانی علماء میں شاہ ولی اللہ کا بھی یہی خیال تھا کہ قرآن کی جملہ آیتوں اور سورتوں میں نظم وترتیب کی تلاش بے سود ہے، کیوں کہ اہلِ عرب کلام میں اس طرح کے تصنیفی نظم وترتیب سے کلیّۃً ناآشنا تھے جس کا رواج متاخرین کے یہاں ملتا ہے۔۸

دوسرا نقطۂ نظر: دوسرے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ایک منظم اور مربوط کلام ہے۔ اس کی موجودہ ترتیب اپنے اندر نہایت حکیمانہ مناسبت اور انتہائی موزونیت رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامیوں میں علامہ ابوبکر نیشاپوری (م ۳۲۲ھ)، قاضی ابوبکر بن العربی (م ۵۴۳ھ)، امام فخرالدین رازیؒ (م ۶۰۶ھ) علامہ زمخشریؒ، علامہ بدرالدین زرکشیؒ، علامہ علی بن احمد ابراہیم المہائمیؒ (م ۸۳۵ھ) علامہ برہان الدین بقاعیؒ (۸۸۵ھ)، علامہ ابن قیمؒ، علامہ ولی الدین ملویؒ، علامہ جلال الدین سیوطیؒ، علامہ ابوجعفر بن زبیر شیخ ابوحیان (م ۷۰۸ھ) اور مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۲۷ھ) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

تیسرا نقطۂ نظر: تیسرے گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں اور سورتوں میں نہ صرف یہ کہ مناسبت پائی جاتی ہے، بلکہ اس کی آیتیں اور سورتیں ایک ایسے جامع اور وسیع نظام کے تحت واقع ہیں جس نے اس کی ہر سورہ کو ایک حکیمانہ خطبہ بنا دیا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی چندسورتوں کے مجموعہ کومربوط ابواب کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اس طرح پورا مجید شروع سے آخرتک بہ لحاظ سورہ بھی اور بہ لحاظ آیت بھی ایک مرتّب، مربوط اور منضبط کلام ہے اور اس کی تمام سورتیں اور سورتوں کی تمام آیتیں باہم دگر اس طرح پیوست ہیں کہ اگر اس میں سے کسی سورہ کو یا کسی آیت کو نکال دیا جائے یا کسی سورہ کی کسی آیت کو مقدم یا موخر کردیا جائے تو اس کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ نظم کا یہ تصور دور جدید کے عظیم مفسر اور ترجمان القرآن علامہ حمید الدین فراہیؒ (۱۸۶۳۔۱۹۳۰ئ) کا ہے۔۹؎

نظم وترتیب کی نوعیت

نظمِ قرآن کے سلسلے میں مفسرین کے یہ تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ ان میں بعض اہل علم اسے تکلفِ محض سے تعبیر کرتے ہیں، بعض وہ ہیں جو ہر آیت کو ماقبل سے مربوط قرار دیتے ہیں۔ بعض وہ بھی ہیں جو پورے قرآن مجید کو' موضوع واحد' قرار دیتے ہیں ۔اسی بنا پر قرآن مجید میں نظم کی بنیادی طور پر دو اقسام ابھر کرسامنے آتی ہیں:

۱۔ وحدۃ الموضوع، یعنی پورا قرآن کلمۂ واحدہ ہے، اس کی سورتوں اور آیتوں کو ایک مضبوط شیرازے نے اس طرح باندھ رکھا ہے کہ کوئی سورہ یا آیت تو کجا، اس کے ایک لفظ کو بھی اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

۲۔ مناسبت کی دیگر انواع: جیسے نظم بین الآیات (تمام آیتیں باہم دگر متصل اور مربوط ہیں) نظم بین السور (آیات کی طرح تمام سورتیں بھی باہم متصل اور مربوط ہیں)

وحدتِ موضوع

اس نظریہ کو دو انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ پورا قرآن ایک ہی موضوع میں سمٹا ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون ہے۔

۱۔ قرآن مجید کلمۂ واحدہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا ایک ہی عنوان ہے، جس کے تحت تمام سورتوں اور آیات کو لایا گیا ہے۔ مثلاً بعض علماء کا قول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ پورا قرآن سورۂ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔۱۰؎ یا یہ کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بندے کی دعا ہے کہ خدایا! میری رہنمائی کر۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ رہ نمائی جس کا تو طالب ہے۔۱۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ تمام چیزیں، خواہ ان کا تعلق اقوام سے ہو یا افراد سے، مقامات سے ہو یا واقعات سے، احکام سے ہو یا عبادات سے، سب ہدایات اور رہ نمائی کی چیزیں ہیں۔ اس سے قرآن مجید کا مجموعی نظام اور اس کا کلمۂ واحدہ ہونا صاف ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر سورہ کا ایک موضوع ہوتا ہے جس کے گرد اس سورہ کی تمام آیات موجود ہوتی ہیں۔ اسے سورہ کا عمود کہا جاتا ہے۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ لکھتے ہیں:

''عمود ہر سورہ کا ایک ہی ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات بہت سی چیزوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ مثلاً سورۃ الحجرات کے عمود کو لو۔ ہے ایک ہی بات، گو لغت میں ہم اس کے لیے ایک ہی جامع لفظ نہ پاسکیں۔ تعبیرِ مطلب کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ میں بدخلقی پر ملامت اور جھڑکی ہے، عام اس سے کہ وہ بدخلقی خیال سے تعلق رکھتی ہو یا قول سے یا عمل سے۔ چنانچہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گفتگو میں سبقت آپؐ کی آواز پر آواز بلند کرنے، عام آدمیوں کی طرح آپؐ کو پکارنے، بے ضرورت اور بے موقع آپؐ کو زحمت دینے اور کسی فاسق کی اطلاع پر کسی قوم پر ٹوٹ پڑنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ پھر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں اصلاح، ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت اور ان کے درمیان عدل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کے ساتھ تمسخر سے، ان کی عیب جوئی سے، تنابز بالالقاب سے، بدگمانی سے، تجسس سے، غیبت سے، غرورِ نسب سے، ادعائے پارسائی سے اور پھر سب سے آخر میں، سب سے بدترین شے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے اسلام کا احسان دھرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ ایک مثال میں نے اس لیے پیش کی ہے کہ تم وحدت میں کثرت کا جلوہ دیکھ سکو۔''۱۲؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیات کے مابین ربط ومناسبت

آیات میں ربط ومناسبت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱۔ظاہری ربط ۲۔مخفی ربط

ظاہری ربط

دو آیات کے درمیان بغیر گہرے غور وخوض کے حاصل ہونے والا ربط ظاہری ربط کہلاتا ہے۔ اس صورت میں ایک آیت یا تو جملۂ معترضہ کے طور پر ہوگی، یا ماقبل آیت کا بدل ہوگی، یا اسے تاکید یا تفسیر کے لیے لایا گیا ہوگا، یا وہ کسی دوسرے ظاہری انداز سے مربوط ہوگی۔[۱۳] اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر ہو، یعنی بعد کی آیت ماقبل آیت میں پائے جانے والے اجمال کی تفسیر ہو، مثلاً:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعاً۔ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعاً۔ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا۔ (المعارج:۱۹۔۲۱)

”بے شک انسان بے صبرا ہے، کہ جب اسے مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے دولت ملتی ہے تو بخیل ہو جاتا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں هَلُوعاً کے لفظ میں پایا جانے والا اجمال اگلی دونوں آیات میں کھولا جا رہا ہے کہ انسان کی بے صبری یہ ہے کہ تنگ حالات میں جزع وفزع کرنے لگتا ہے اور فراخی والے حالات میں بخیل ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسری آیت پہلی آیت کی تاکید ہو، جیسے:

وَيَا قَوْمِ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ۔ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ۔ (المومن:۴۱۔۴۲)

”اے میری قوم! کیا بات ہے کہ میں تمہیں جہنم سے چھڑانا چاہتا ہوں اور تم مجھے اس کی طرف بلا رہے ہو؟ تم مجھے بلاتے ہو، تاکہ میں اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ کفر کروں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں اس چیز کو جسے میں نہیں جانتا ہوں‘‘

ان دو آیات سے ماقبل کی آیات میں یَاقَوْم۔۔۔ کے لفظ سے خطاب کیا گیا تھا۔ یہاں پھر یَاقَوْمِ کی تکرار پہلے والی آیات کی تاکید ہے۔ ۱۴؎

اسی آیت میں دوسری تاکید یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پہلی آیت میں فرمایا: وَتَدْعُونَنِیْ إِلَی النَّارِ اور دوسری آیت میں اس کی تاکید ہے: تَدْعُونَنِیْ لِأَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَأُشْرِکَ بِہِ۔

۳۔ دوسری آیت پہلی آیت کا بدل ہو، جیسے سورہ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُستَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمتَ عَلَیْھِم (الفاتحہ:۵)

یہاں پہلی آیت میں لفظ ’صراط‘ کا بدل اگلی آیت میں موجود ہے، جو ماقبل صراط کا مبیّن بھی ہے۔

۴۔ آیت معترضہ ہو، جیسے:

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ۔ وَإِنَّہُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِیْمٌ۔ إِنَّہُ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ (الواقعۃ:۷۵-۷۷)

’’ستارے جہاں ڈوبتے ہیں میں اس کی قسم کھاتا ہوں، تمھیں علم ہو جائے تو یہ بہت بڑی قسم ہے، بے شک یہ عزت والا قرآن ہے‘‘

یہاں یہ بتانا کہ یہ بڑی قسم ہے، جملۂ معترضہ ہے۔ اسی طرح اس آیت میں لَّوْ تَعْلَمُون بھی جملۂ معترضہ ہے۔ کسی بھی کلام میں جملۂ معترضہ لانا کلام کے اسالیبِ نظم ہی کی قسم ہوتی ہے۔

۵۔ دوسری آیت مستثنیٰ ہو۔ یعنی جو حکم پہلی آیت میں ثابت کیا جا رہا ہے اگلی آیت میں اس سے استثناء موجود ہو، جیسے:

سَنُقْرِؤُکَ فَلَا تَنسَی۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ ۔ (الاعلیٰ:۶-۷)

’’ہم آپ کو (اچھی طرح قرآن) پڑھا دیں گے، پھر آپ نہیں بھولیں گے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوائے اس کے جو اللہ چاہے"۔

یہاں بعد والی آیت میں فَلَاتَنسَی سے استثناء ظاہر ہے۔

ظاہری ربط کی اور بھی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں، جیسے کسی سوالِ مقدّر کا جواب یا سابقہ بیان کا تکملہ وتتمہ وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں ربط بالکل ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے ادراک کے لیے کسی خاص محنت اور تدبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مخفی ربط:

آیات کے مابین ایسا ربط جو لفظوں سے واضح نہ ہو رہا ہو، بلکہ معنوی طور پر سمجھ میں آ رہا ہو، ربطِ مخفی کہلاتا ہے۔

اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو دوسری آیت ماقبل آیت پر معطوف ہوگی یا معطوف نہ ہوگی۔ اگر وہ ماقبل پر حروفِ عاطفہ میں سے کسی حرف کے ذریعے معطوف ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو معطوف علیہ کا ہے، جیسا کہ عطف میں ہوتا ہے۔ نیز ان کے درمیان جمع کرنے والی کوئی صورت بھی ہو، جیسے تضاد۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِيْ الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا (الحدید: ۴)

"وہ جانتا ہے جو زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے"

اس آیت میں ولوج (داخل ہونے) اور خروج (نکلنے) یا نزول (اترنے) اور عروج (چڑھنے) کے مابین تضاد پایا جاتا ہے۔ اور سماء اور ارض کے مابین 'شبہ تضاد' موجود ہے۔ اسی طرح جہاں عذاب کے بعد رحمت کا اور 'رہبت' (خوف دلانے) کے بعد رغبت (ترغیب دینے) یا دوزخ کے بعد جنت کا ذکر کیا جاتا ہے، وہاں بھی دونوں کے درمیان رابطہ تضاد کا ہی ہوتا ہے۔

لیکن اگر دوسری آیت پہلی آیت پر معطوف نہ ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ کوئی قوی وجہ اتصالِ کلام کا علم پیدا کرنے والی وہاں پائی جاتی ہو۔ یہ وجوہ معنوی (مخفی) قرینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں جو ربطِ کلام کو بتاتے ہیں اور انھیں غور وتدبر کے ذریعہ ہی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہ معنوی رابطے وقرینے کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً مخفی رابطہ وقرینہ کے یہ اسباب ہو سکتے ہیں: تنظیر، مضادہ، استطراد، حسن تخلص۔ ذیل میں ان کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:

تنظیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نظائر کو ایک جگہ جمع کردیا جائے۔ نظیر اور مثال لانے کے لیے کسی حرفِ عطف یا ظاہری رابطہ کی ضرورت نہیں پڑتی، کلام خود بخود بتادیتا ہے کہ یہ پچھلے کلام کی نظیر اور مثال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ۔ (الانفال:۵)

یہ آیت أُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا (الانفال:۴) کے بعد آئی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں مجاہدین کو انعام دینے کی ناپسندیدگی کو خروج للجہاد کی نفرت وحقارت کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ ۱۵ے

مضادّہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو بیان کرنے کے بعد اس کی ضد بیان کی جائے، کیوں کہ چیزوں کی وضاحت ان کی ضد سے بھی ہوتی ہے۔ کہا گیا ہے: **وبضدها تتبین الاشیاء** مثلاً سورۂ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیات میں اہلِ ایمان کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس کے بعد آیات چھ(٦) تا بیس (٢٠) میں ایمان نہ لانے والے گروہ کا حال بیان ہوا ہے اور ان کے ایمان نہ لانے کے اسباب اور ذہنی وفکری الجھنوں کا ذکر ہے۔ اس طرح اہل کفر ونفاق کی تصویر کشی سے اہل ایمان کی صورت حال کی عکاسی مزید تابناک اور دل کش ہوگئی ہے۔

استطراد: یعنی بات کو اس طرح بیان کرنا کہ اس سے دوسری بات لازم آجائے۔ مثال کے طور پر سورۂ اعراف میں ہے:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ (آیت ٢٦)

”اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا جو تمہارے پردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دار بدن کو چھپاتا ہے اور باعث زینت ہے۔"

یہاں حقیقی لباس کے ساتھ 'لباسِ تقویٰ' کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ استطراد کی مثال ہے۔

حسن التخلص: یعنی ایک بات یا مضمون مکمل کرنے کے بعد دوسرے مضمون کی طرف اس خوبی کے ساتھ منتقل ہونا کہ سامع کو اس کا احساس بھی نہ ہونے پائے کہ اب دوسری بات بیان کی جارہی ہے۔

اس کی عمدہ مثال یہ ہے کہ سورۂ شعراء کی آیات ۶۹ تا ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ اس میں انھوں نے اپنی قوم کے خود ساختہ معبودوں کی بے بضاعتی ظاہر کر کے اپنی قوم سے اعلان براءت کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے فرمایا: **فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ** (الشعرائ: ۷۷) یہاں تخلیص کے اسلوب کو استعمال کرتے ہوئے نہایت خوب صورتی کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ نے بات کا رخ ان معبودانِ باطل سے اپنے ربِ حقیقی کی طرف پھیر دیا، پھر اس کے وہ اوصاف گنائے جن کی بنا پر وہ عبودیت کا حق دار اور اس بات کا سزاوار ہے کہ اسی سے لو لگائی جائے اور اسی سے استعانت طلب کی جائے۔

سورتوں کے درمیان ربط و نظم

سورتوں کے درمیان ربط و تعلق کی بھی کئی شکلیں ہیں۔ جس طرح قرآن مجید کی آیات کے درمیان باہمی ربط و مناسبت پائی جاتی ہے، اسی طرح سورتوں کے درمیان بھی باہمی ربط و مناسبت بھی پائی جاتی ہے۔ یہ مناسبت کئی طرح کی ہوتی ہے:

۱۔ آغازِ سورت کا ماقبل سورت کے اختتام سے ربط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ میں جب بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ مجھے صراط مستقیم کی ہدایت دے (**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ**۔۔۔) تو فوراً سورۂ بقرہ کا آغاز الٓمّٓ **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ** سے کیا گیا کہ یہ قرآن کتابِ ہدایت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ۱۶؎

۲۔ فواتحِ سور اور ان کے خاتمہ کی آیات کے مابین بھی ربط پایا جاتا ہے، مثلاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۂ مومنون کا آغاز اس آیت سے ہوا ہے: **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ** (بلاشبہ ایمان والے فلاح پا گئے) اور سورہ کا خاتمہ اس آیت پر ہوا ہے: **اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری سورہ کا مضمون فلاح ہے اور اہل ایمان کے لیے اس کا اثبات اور کافروں کے حق میں اس کی نفی کی گئی ہے۔

۳۔ بسا اوقات ایک سورت جن کلمات سے شروع ہوتی ہے ان کا اگلی سورت کے ابتدائی کلمات سے ایک خاص ربط ہوتا ہے۔ جیسے سورۂ اسراء کا آغاز '**سبحان**' سے کیا گیا، اسی طرح اگلی سورہ (سورہ الکہف) کا آغاز '**الحمد**' سے کیا گیا۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ تسبیح ہمیشہ تحمید پر مقدم ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے: **سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ**۔[۱۷]

غرض جب کوئی آیت کسی دوسری آیت کے ساتھ ملائی جاتی ہے تو اس میں گوناگوں مناسبتیں ہوتی ہیں۔ ہر ترکیب اور ترتیب اپنے اندر نظم کا ایک نیا جلوہ اور حسن و جمال کا نیا رنگ رکھتی ہے۔ سورتوں کے تمام مضامین اپنے مرکزی موضوع سے منسلک ہوتے ہیں۔ ان تمام وجوہ و مناسبات کی معرفت سے قرآن حکیم کے اعجاز، بلاغت، معانی، نظمِ کلام اور عظمتِ اسلوب کا صحیح فہم حاصل ہوتا ہے۔

تجزیہ

اوپر کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں نظم وترتیب کے متعلق پہلا نقطۂ نظر ضعیف ہے۔ ایک ایسی کتاب جو انسانی زندگی میں ہمہ جہت انقلاب پیدا کرنے کے لیے آئی ہو اور جس کی اولین مخاطب وہ قوم ہو جو فصاحت وبلاغت میں اپنے سوا دوسری قوموں کو عجم کہتی ہو، وہ صرف چند منتشر احکام اور بکھرے ہوئے قوانین کا مجموعہ ہو۔ کیا عربوں کے اندر یہ انقلاب، جس نے انھیں زمین کی پستیوں سے اٹھا کر آسمان کی وسعتوں تک پہنچا دیا تھا، بغیر دلوں کی دنیا بدلے آ گیا تھا؟ اور کیا دلوں کا یہ انقلاب چند منتشر اور غیر مربوط احکام کے ذریعہ ممکن ہے؟ دوسرا نقطۂ نظر پہلے نقطۂ نظر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عین ضد ہے۔ یہ قرآن کو ایک منظم اور مربوط کلام سمجھتا ہے اور اس ترتیب میں حکیمانہ مناسبت کا قائل ہے۔ لیکن اس نقطۂ نظر کے حامیوں نے آیتوں کے درمیان محض تناسب کے علم کو ہی کافی سمجھا اور اسی پر قانع ہوگئے۔ اس طرح یہ علم ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکا۔ تیسرا نقطۂ نظر وہ ہے جو پورے قرآن کو منظم اور مربوط تسلیم کرتا ہے۔

جن علماء نے ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کے نظم و ارتباط کو سمجھنے کی کوشش کی، ان کی جو آراء اوپر نقل کی گئی ہیں ان سب پر نظر ڈالنے سے قرآن میں چار طرح کا نظم معلوم ہوتا ہے: (۱) پورا قرآن از اول تا آخر ایک مربوط و مسلسل کلام ہے (۲) ہر سورہ کا ایک مرکزی مضمون ہوتا ہے جس سے اس کی تمام آیات مربوط ہوتی ہیں (۳) تمام آیات کے درمیان گہرا ربط و اتصال پایا جاتا ہے (۴) تمام سورتیں باہم دیگر مربوط و متعلق ہیں۔ نظم و ربط کے یہ چاروں پہلو مل کر قرآن مجید کا ایسا جلوہ پیش کرتے ہیں کہ زبان بے اختیار پکار اٹھتی ہے: **ماھذا قول البشر۔**

لیکن یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں میں نظم و ترتیب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر علماء کی نگاہ سے یہ نظم پوشیدہ رہا؟ جو علماء نظم کے قائل تھے وہ بھی اپنی جملہ مساعی کے باوجود قرآن کی جملہ سورتوں میں نظم و ترتیب کو ایک واضح حقیقت کے طور پر دکھانے سے قاصر رہے اور یہ صورت ہنوز برقرار ہے۔ اس کی دو بڑی وجہیں ہیں: ایک وجہ قرآن حکیم کا اسلوبِ بیان ہے، جو عربِ قدیم کے نہج سے مطابقت رکھتا ہے۔ قدمائے عرب اپنے کلام میں ادباء متاخرین کی طرح کا نظم اور تسلسل ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ وہ صرف ایجاز اور اختصار کو اپنے کلام کی خوبی سمجھتے تھے۔ مفرد مضمون اور مستقل کلام کا طریقہ ان کے یہاں عام تھا۔ جزئیات کے بیان میں معنیٰ خیز اشاروں سے کام لیتے اور ایماء (اشارہ) کو تفصیل اور صراحت پر ترجیح دیتے تھے، تاکہ تخیل مطلوبہ اثر خود حاصل کرلے۔ قرآن کریم کا طرزِ نگارش اسی نہج کا مظہر ہے، جس کی وجہ سے عام اذہان تو کجا، نہایت ذہین لوگ بھی بسا اوقات اس کے فہم سے قاصر رہتے ہیں۔ جہاں تک قرآن مجید کی تذکیری تعلیمات کا تعلق ہے وہ بالکل واضح اور مفصل ہیں: وَلَقَدْ

© rasailojaraid.com